تحقیق وتنقید

سیرت نبوی پر اندلسی تصنیفات

توضیحات وتنقیحات

ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی

تحقیقات اسلامی جنوری ۹۲ء کے شمارے (۱۱:۱) میں ہمارے محترم اور فاضل دوست ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی کا ایک مضمون "اندلس میں سیرتی ادب کا ارتقا" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ سیرت اور تاریخ بنی امیہ صدیقی صاحب کے خصوصی موضوعات ہیں۔ سیرت پر ان کی گراں قدر کتاب "عہد نبوی میں تنظیم ریاست وحکومت" جو ڈاکٹریٹ کا تحقیقی مقالہ ہے انگریزی میں بھی شائع ہو چکی ہے اور اردو میں بھی۔ اس کتاب پر انھیں نقوش ایوارڈ بھی مل چکا ہے۔ بنو امیہ اور بنو ہاشم کے تعلقات پر ان کے تحقیقی مضامین کو ایسی شہرت ملی کہ اس موضوع پر انھیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ زود نویس اور بسیار نویس ہونے کے باوجود اپنے خاص موضوعات پر جب قلم اٹھاتے ہیں تو علمی اور تحقیقی معیار کو قائم رکھنے میں کامیاب رہتے ہیں۔

اندلس کے "سیرتی ادب" پر اس مضمون میں دکھایا گیا ہے کہ ایک طرف اندلس میں کتب سیرت کے مطالعہ کی روایت کس طرح پروان چڑھی، دوسری طرف خود اندلسی علماء کے قلم سے اس موضوع پر تصنیفات کا کیسا عظیم الشان ذخیرہ وجود میں آیا۔

راقم سطور نے یہ مضمون بڑے ذوق وشوق سے پڑھا۔ اول تو اس کی نسبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے، پھر تذکرہ کتابوں کا، جو لکھی گئیں اسلام کی فردوس گم شدہ دیار اندلس میں۔ قلم اپنے ایک محترم دوست کا، اور رسالہ تحقیقات اسلامی جو ہندوستان کے معدودے چند معیاری رسائل میں سے ایک ہے، اور جس سے خاکسار کا تعلق خاطر اس کے آغاز اجرا ہی سے رہا ہے۔ غرض دلچسپی کے گوناگوں اسباب اس مضمون میں جمع ہو گئے۔ خالص استفادہ کے نقطۂ نظر سے مضمون کا مطالعہ کرنے کے

بعد بعض مقامات کی توضیح وتنقیح کی ضرورت محسوس ہوئی تو پھر ان ہی اسباب نے اس پر بھی مجبور کیا کہ اپنی حقیر معروضات پیش کرنے سے گریز نہ کروں۔

کسی کتاب یا مضمون سے استفادہ کے بعد میرے نزدیک قاری پر اس کا ایک حق عائد ہوتا ہے جس کی ادائیگی اور شکرگزاری کی سب سے عمدہ صورت یہ ہے کہ اگر اس میں کوئی بڑا خلا یا سہو ونسیان کی کوئی غیر معمولی بات نظر آئے تو اس کی جانب توجہ دلائی جائے اور اگر اس کا درست کرنا ممکن ہو تو اس سے دریغ نہ کیا جائے۔ اسے میں علم کی خدمت کے علاوہ خود صاحب کتاب یا مضمون نگار کی محنت کا بہترین صلہ تصور کرتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ میرے فاضل دوست اور ناظرین دونوں ان معروضات پر اسی پس منظر میں غور فرمائیں گے۔

مضمون پر اجمالی نظر

مقالۂ زیر بحث کو غور سے پڑھنے کے بعد راقم سطور اس نتیجہ پر پہنچا کہ ہمارے فاضل دوست نے اسے نہایت عجلت کی حالت میں سپرد قلم کیا ہے۔ ان کی علمی زندگی جس سرگرمی اور ہماہمی میں گزرتی ہے۔ اس کے پیش نظر یہ کچھ بعید نہیں کہ کسی سمینار میں شرکت کا جبر اس مضمون کی تیاری کا محرک بنا ہو، پھر عدیم الفرصتی یا تحقیقات کے مدیر محترم کے طلب واصرار نے نظر ثانی کا موقع بھی نہ دیا ہو۔

اسی عجلت میں تحقیق کے بعض مسلم اصولوں کو جن سے مقالہ نگار ہم جیسے قارئین سے زیادہ واقف ہیں اس مضمون میں ملحوظ نہ رکھا جا سکا، اور اس تعمیر میں خرابی کی عجیب صورت پیدا ہو گئی۔

تمہید اور خاتمہ سے قطع نظر، اس مقالے کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ "سیرت نبوی کے مطالعہ کی روایت" کے عنوان سے تقریباً ۸ صفحات (ص۔ ۱۸۔ ۲۶) پر مشتمل ہے۔ اس حصہ میں آٹھ اندلسی مآخذ کی روشنی میں اندلس کے حلقہ ہائے درس میں کتب سیرت کی قراءت وسماعت کا جائزہ لیا گیا ہے۔

دوسرے حصہ میں جس کا عنوان "اندلسی سیرت نگاری" ہے سیرت کے موضوع پر علمائے اندلس کی تصنیفی خدمات کا ایک مختصر جائزہ ہے جو تقریباً گیارہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے (۲۶۔ ۳۷) یہ حصہ ان سطروں پر ختم ہوتا ہے:

"ظاہر ہے کہ اندلسی سیرت نگاری کا یہ ایک سرسری جائزہ ہے۔ اگرچہ کوشش یہ رہی ہے کہ اسے اختصار کے ساتھ ساتھ زیادہ سے زیادہ جامع بھی بنایا جائے تاکہ اندلسی مولفین سیرت کی کاوشوں کو ان کے صحیح تناظر میں دیکھا جا سکے۔ تمام دستیاب مآخذ و مصادر کا بھی احاطہ نہیں کیا گیا ہے کہ وہ وقت طلب اور مقام طلب ہے صرف چند بنیادی قدیم وجدید مآخذ پر انحصار کیا گیا ہے"۔

مقالہ کے اس حصہ میں تقریبًا ۱۲۰ کتابوں (مکررات سمیت) کا تذکرہ ہے اور فاضل مقالہ نگار نے تقریبًا ہر کتاب کے بارے میں اس وضاحت کا التزام کیا ہے کہ وہ مطبوعہ ہے یا مخطوطہ اور اگر مخطوطہ ہے تو اس کے نسخے دنیا کے کس کتب خانے میں پائے جاتے ہیں یہی نہیں بلکہ مخطوطوں کے نمبر بھی درج کیے گئے ہیں۔ اگر یہ دونوں صورتیں نہیں ہیں اور کتاب کا صرف ذکر ملتا ہے تو اس کے ماخذ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ سیرت کے بعض ذیلی موضوعات پر کل کتنی کتابیں لکھی گئیں اس کا سراغ بھی لگایا گیا ہے۔ مثلاً "دلچسپ بات یہ ہے کہ شکوی اور استغاثہ پر جن پانچ رسالوں کا سراغ ملا ہے۔" (ص ۲۶) "طب نبوی پر تقریبًا بیس کتابوں میں سے۔۔" (ص ۳۵) "حکمت نبوی پر دو کتابوں کا سراغ ملا ہے۔" (ص ۳۵)

یہ کام سخت دشوار اور مقالہ نگار کے الفاظ میں "وقت طلب" اور "مقام طلب" تھا مگر خوش قسمتی سے انھیں ایک کتاب ایسی ہاتھ آگئی جس نے انھیں اس کوہکنی کی شقتوں سے بچالیا۔ یہ کتاب ڈاکٹر صلاح الدین المنجد کی مرتب کی ہوئی "معجم ما اُلّف عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم" ہے۔ اب فاضل مقالہ نگار کو صرف اتنی محنت کرنی تھی کہ وہ اس کتاب کی مدد سے سیرت پر اندلسی تصنیفات کی فہرست تیار کرتے، پھر اس کی تہذیب و تنقیح کرتے، ان کے بارے میں المنجّد کی دی ہوئی تفصیلات کو تحقیق و تفحص کی چھلنی سے گزارتے۔ اپنی سابقہ معلومات سے ان کا موازنہ کرتے اور ان سب باتوں سے پہلے اس معجم کی طرز ترتیب اور اس کی نارسائیوں کو پیش نظر رکھتے۔ مگر عجلت پھر آڑے آئی اور انھوں نے ان ایک سو سے زائد کتابوں کے بارے میں المنجّد کی دی ہوئی معلومات اور ان کے نتائج تحقیق کو زبان بدل کر جوں کا توں اپنے مضمون میں منتقل کر لیا اور حوالے اصل کتابوں یعنی المنجّد کے مآخذ کے دیدیئے۔

المنجد کی معجم بلاشبہ مقالہ کی کتابیات میں مذکور ہے مگر ایسی صورت میں ہمارے خیال

میں مستحسن یہ تھا کہ اس بحث کے شروع میں بھی یہ وضاحت کر دی جاتی کہ اس میں ڈاکٹر المنجد کی اس معجم پر اعتماد کیا گیا ہے اس طرح تشکر علمی کا فریضہ بھی بطریق احسن ادا ہو جاتا اور معجم کی فروگذاشتوں سے بھی مقالہ نگار ایک حد تک بری الذمہ رہتے۔

اس بحث میں ایک مقام ضرور ایسا ہے جہاں بعض مآخذ کے ساتھ معجم المنجد کا حوالہ اس طرح آیا ہے: "ہدیہ ۱۲؍۸، کشف الظنون ۸۱، فوات کتبی ۲۷۱/۲ اور معجم المنجد"۔ پورے مقالہ کے اندر المنجد کی کتاب کا یہی ایک حوالہ پایا جاتا ہے (اور وہ بھی یک گونہ بے اعتنائی کے ساتھ کیونکہ اس کے صفحہ کا ذکر نہیں)۔ یہ حوالہ نہ صرف یہ کہ غیر ضروری ہے، بلکہ اس سے تو یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے کہ اس کتاب سے پورے مقالہ میں صرف اسی ایک جگہ استفادہ کیا گیا ہے۔

اسی طرح ایک مقام ایسا آیا تھا جہاں معجم المنجد کا حوالہ دینا ناگزیر تھا مگر وہاں فاضل مقالہ نگار خاموشی سے بلا حوالہ گذر گئے۔ صفحہ ۳۰ پر ابن حبیش اندلسی کی مغازی کے بارے میں لکھا ہے: "غالباً واقدی اور بلاذری کی اتباع میں عبدالرحمٰن بن محمد حبیش اندلسی (م ۵۸۴ھ) نے الغزوات والفتوح کے عنوان سے اپنا مخطوطہ چھوڑا ہے"۔ یہاں خلاف معمول یہ نہیں بتایا گیا کہ اس کا مخطوطہ کس کتب خانہ میں پایا جاتا ہے۔ حالانکہ صلاح الدین المنجد نے لکھا ہے کہ اس کا ایک نسخہ ان کے کتب خانے میں موجود ہے (خ: فی خزانتنا ۱/۱۳) اس صورت میں فاضل مقالہ نگار کو اس نسخہ کا بھی ذکر کرنا تھا اور معجم المنجد کا یہاں خاص طور پر حوالہ دینا تھا۔ مگر اس موقع پر ان کے سکوت سے خواہ مخواہ بدگمانی کو راہ ملتی ہے۔ حالانکہ ہمارے خیال میں اس میں ان کے کسی قصد وارادہ کا دخل نہیں بلکہ یہ سب اسی عجلت نابکار کا شاخسانہ ہے جس کا ذکر بار بار آتا رہے گا۔

بہر حال چونکہ اس بحث کا اصل ماخذ المنجد کی کتاب ہے اور بیشتر غلطیاں اس پر مکمل اعتماد یا اس کے نہج اور حدود کو ملحوظ نہ رکھنے کی بنا پر رونما ہوئی ہیں اس لیے آگے بڑھنے سے قبل اس کتاب اور اس کے مرتب کے بارے میں کچھ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

المنجد کی معجم ما أُلّف عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ڈاکٹر صلاح الدین المنجد عربی مخطوطات کی دنیا کی معروف شخصیت ہیں۔ ایک عرصہ

تک معہد المخلوطات العربیہ قاہرہ کے ڈائرکٹر اور اس کے مجلہ کے مدیر رہے ہے۔ اسی ادارہ سے وابستگی نے ان کو شہرت عطا کی۔ بعد میں کویت کی وزارت اطلاعات و نشریات کے سلسلۂ مطبوعات "التراث العربی" کے نگراں بھی رہے۔ چالیس سے زائد مختصر رسائل اور بعض ضخیم کتابوں مثلاً ذہبی کی سیر اعلام النبلاء جلد اول اور العبر جلد اول کی تحقیق کی ۱۹۵۴ء سے ۱۹۸۰ء تک جو مخطوطات زیور طبع سے آراستہ ہوئے ان کی ایک ببلیوگرافی پانچ حصوں میں "معجم المخطوطات المطبوعة" کے عنوان سے مرتب کی۔ اس کے علاوہ کتابیات اور دوسرے موضوعات پر متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کا ذاتی کتب خانہ جو بیروت کی خانہ جنگی میں تباہ ہوگیا نوادرات پر مشتمل تھا۔

پندرہویں صدی ہجری کی تقریبات کے موقع پر انھیں یہ خیال آیا کہ سیرت نبوی پر کوئی ایسا کام کیا جائے جسے اب تک کسی نے ہاتھ نہ لگایا ہو۔ چنانچہ انھوں نے عربی زبان میں سیرت نبوی پر تیرہ سو سالہ تصنیفی ذخیرہ کی ایک فہرست مرتب کی اور اسے معجم ما الف عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دیا۔ اس پہلو سے یہ کوشش بہت مبارک اور لائق تحسین ہے اور اپنے موضوع پر بلا شبہ ایک اہم خلا کو پر کرتی ہے۔

اس طرح کی فہرستوں کی تیاری کا کام نہایت صبر آزما اور ہمت شکن ہوتا ہے۔ اس کا زمانی اور مکانی دائرہ جتنا ہی وسیع ہوتا ہے اسی قدر اس کی پیچیدگیوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ درست معلومات حاصل کرنے کی ساری کوششوں کے باوجود اس کام میں بعض ایسی دشواریاں پیش آتی ہیں جن کا حل کرنا آسان نہیں ہوتا۔ مثلاً ہر کتاب کے بارے میں خاص طور پر اگر وہ مخطوطہ کی صورت میں ہو براہ راست معلومات حاصل کرنا ممکن نہیں ہے ناچار فہرستوں پر اعتماد کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ فہرست سازی کی ان غلطیوں سے مفر نہیں جو مخطوطہ شناسی میں اس کی عدم مہارت، وراقین کے دجل و فریب اور اس فن کے اپنے مسائل و مشکلات کی زائیدہ ہوتی ہیں۔

جن کتابوں کے نام صرف ماخذ میں ملتے ہیں اور وہ موجود نہیں ان کے موضوعات کا پتہ لگانا بسا اوقات سخت دشوار ہوتا ہے۔ کبھی تو خود ان کتابوں کے نام ہی اس راہ میں حائل ہوجاتے ہیں۔ ایک بڑی دشواری اس سلسلہ میں یہ پیش آتی ہے کہ ایک کتاب کا ذکر ماخذ میں اور کبھی ایک ہی ماخذ میں بلکہ خود اس کے مولف کی زبان سے متعدد ناموں

سے آتا ہے اور یہ تحقیق نہیں ہو پاتی کہ یہ ایک کتاب کے مختلف نام ہیں یا کئی مستقل کتابیں ہیں۔ کاتبوں کی تصحیفات و تحریفات الگ ہیں۔ مثال کے طور پر "سیرت ابن ہشام" کا ذکر صرف ایک ماخذ "فتح الباری" میں السیرۃ (۵ : ۱۴۱) مختصر السیرۃ (۷ : ۵۰۱) مختصر ابن ہشام (۸ : ۶۷۲) تہذیب السیرۃ (۱ : ۴۷۰) زوائد السیرہ (۶ : ۱۵۰) "زیادات السیرۃ" (۷ : ۳۸۸) چھ ناموں سے آیا ہے۔ "مغازی ابن ہشام" اور "مشاہد ابن ہشام" دو ناموں کا اس پر اضافہ کر لیجئے۔ سیرت ابن ہشام چونکہ مشہور کتاب ہے اور سیرت پر ابن ہشام کی کوئی اور کتاب معروف نہیں اس لیے اس کے بارے میں دھوکا نہیں ہوتا۔ مگر کسی دوسری کتاب کے ساتھ جو ایسی معروف نہ ہو یہ صورتِ حال پیش آئے تو اس کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لیے بہت تحقیق کی ضرورت ہوگی۔ کسی بھی ببلیوگرافی سے استفادہ کے لیے اس کے مرتب کی ان مشکلات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

ڈاکٹر صلاح الدین المنجد نے کتب سیرت کی یہ ببلیوگرافی تاریخ اور طبقات و تراجم کی کتابوں اور مطبوعات و مخطوطات کی فہارس کی مدد سے تین سال کی مدت میں تیار کی۔ پھر کتابوں کو ۱۲ حصوں یا ابواب میں تقسیم کیا اور ہر حصہ میں بہت سے ذیلی عنوانات قائم کر کے ان کے تحت کتابوں کو حروف تہجی کے مطابق مرتب کیا۔ کتاب کے مصنف کا نام اور اس کی تاریخ وفات درج کی۔ اگر کتاب غیر مطبوعہ ہے اور مرتب کے خیال میں وہ ضائع ہو چکی ہے تو اس ماخذ کا حوالہ دیا ہے جہاں سے کتاب کا نام نقل کیا اور اگر اس کے قلمی نسخے پائے جاتے ہیں تو بعض نسخوں کا بھی ذکر کیا۔ مطبوعہ کتابوں کے سلسلہ میں کم از کم ایک ایڈیشن کا حوالہ دینے کا التزام کیا ہے۔ (مقدمہ ص ۱۱)

ڈاکٹر المنجد نے کتاب کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ: "اس معجم کی تیاری میں تین سال کا عرصہ لگا۔ کئی مرتبہ مسودہ کو صاف کیا اور متعدد بار اس کی ترتیب میں تبدیلی کی۔

بیروت میں قیام، کئی عظیم کتب خانوں سے رابطہ، مخطوطات و مطبوعات کی فہرست سازی کا طویل تجربہ دنیا کے مشہور کتب خانوں کی فہرست کی فراوانی، معہد المخطوطات سے دیرینہ وابستگی اور تصنیف و تحقیق سے بلا انقطاع اشتغال کی بنا پر اس کام کے لیے ڈاکٹر المنجد کی شخصیت سب سے زیادہ موزوں تھی، اور بجا طور پر یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ ان کی تیار کردہ اس ببلیوگرافی میں غلطیاں کم سے کم ہوں گی۔ مگر افسوس ہے

کہ یہ توقع پوری نہیں ہوتی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو وقت کتابوں کے بارے میں جمع شدہ معلومات کی تحقیق جیسے بنیادی کام پر صرف ہونا تھا اسے انھوں نے کتابوں کو موضوعات کے مطابق ترتیب دینے میں لگا دیا۔ حالانکہ اس دوسرے کام کی حیثیت محض تکمیلی تھی کتاب کے بارہ ابواب میں کل ۱۲۸ ذیلی عناوین قائم کیے گئے ہیں اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کتابوں کی ترتیب میں کتنا وقت صرف ہوا ہوگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کتابوں کے بارے میں تحقیق کا حق ادا نہ کیا جاسکا۔

ڈاکٹر المنجد نے اگر موضوعات کی تقسیم و ترتیب کی آزمائش میں پڑے بغیر ساری کتابوں کو از اول تا آخر حروف تہجی کے مطابق مرتب کر دیا ہوتا اور ساری توجہ کتاب اور اس کے مصنف کے بارے میں اندراجات کی صحت پر مرکوز کی ہوتی تو قارئین کو ایک موضوع پر کتابوں کی تلاش میں یہ دشواری ضرور ہوتی کہ پوری معجم کی ورق گردانی کرنی پڑتی مگر یہ دشواری صرف اسی ایک کتاب یعنی "معجم ما الف عن رسول اللہ" تک محدود رہتی۔ موجودہ صورت میں ایک موضوع پر کتابوں کے نام یکجا مل جاتے ہیں (اگرچہ معجم کی ناقص ترتیب نے اس فائدہ کے حصول کو بھی مشکوک بنا دیا ہے جیسا کہ واضح ہوگا) مگر ہر کتاب کے بارے میں مندرجہ معلومات کی تحقیق قاری کے لیے سخت زحمت طلب اور بسا اوقات لاحاصل ثابت ہوسکتی ہے جبکہ ڈاکٹر المنجد کے لیے یہ کام وسائل کی فراوانی کے سبب کہیں زیادہ سہل تھا۔

بہر حال کتابوں کے بارے میں معلومات کی صحت جیسے بنیادی امر کی تحقیق میں کوتاہی ترتیب کی خامی اور بعض مراجع کے نہج سے ناواقفیت کی بنا پر اس معجم میں گوناگوں اغلاط پائی جاتی ہیں۔ ہم یہاں تین خامیوں کا ذکر بطور خاص کرنا چاہتے ہیں اس لیے کہ ہمارے فاضل دوست ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی صاحب کا مضمون ان سے بری طرح متاثر ہوا ہے۔

(۱) ایک یہ کہ کتاب کا نام جس ماخذ میں جیسا ملا المنجد نے اسی صورت میں درج کر دیا۔ اس طرح ایک ہی کتاب کا ذکر بار بار مختلف ناموں سے آتا ہے جس سے قاری کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ یہ متعدد کتابیں ہیں۔ بعض جگہوں پر یہ وضاحت مل جاتی ہے کہ یہ وہی کتاب ہے جس کا ذکر اس سے قبل اس نام سے گذر چکا ہے مگر ایسا خال خال ہے۔ صدیقی صاحب کے مضمون پر مفصل تبصرہ میں اس غلط فہمی کی مثالیں جا بجا آئیں گی۔

یہاں اس سے ہٹ کر دو مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔

۱۔ علامہ برہان الدین بقاعی صاحب نظم الدرر نے سیرت نبوی کو نظم کیا تھا اور اس منظومہ کا نام "جواہر البحار فی نظم سیرۃ المختار" رکھا تھا سخاوی نے الاعلان بالتوبیخ (۵۲۱) میں ناظمین سیرت میں بقاعی کا نام اس طرح لکھا ہے: "ونظمها..... والبقاعي" اس کے حوالہ سے المنجد نے اپنی معجم کے ص ۱۲۰ پر بقاعی کی کتاب کا نام "نظم السیرۃ" کے عنوان سے درج کیا، اس سے قبل ص ۱۰۶ پر اس کتاب کو اصلی نام "جواہر البحار" سے ذکر کر چکے ہیں اس کے بعد یہاں دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی اور کیا ہی تھا تو جواہر البحار کا حوالہ دینا چاہیئے تھا۔ ص ۱۰۶ پر یہ بھی لکھا ہے کہ یہ ارجوزہ ہے اور اس کے نسخہ کے لیے "دار الکتب ۲۱۴۳ طلعت" کا حوالہ دیا ہے۔ المنجد نے غالباً دار الکتب کی فہرست پر اعتماد کرتے ہوئے "ارجوزہ" لکھ دیا اور اس فہرست کے مرتب نے مخطوط موجود ہوتے ہوئے بھی کشف الظنون (۶۱۲) کے بیان پر اعتماد کرتے ہوئے یہ نوٹ لکھ دیا کشف الظنون میں ایک طرف اس کتاب کو "ارجوزہ" لکھا ہے اور دوسری طرف اس کا پہلا مصرعہ بھی اس طرح درج کیا ہے:

مَا بالُ جَفنِكَ هَامِي الدَّمعِ هَامِرُهٗ

یہ مصرعہ جو بحر بسیط کا ہے خود گواہ ہے کہ بقاعی کا یہ منظومہ "ارجوزہ" ہرگز نہیں۔ مولف کشف الظنون کو سہو ہو گیا۔

۲۔ ابن شہاب زہری کی مغازی کا نام ص ۱۳۵ پر کشف الظنون کے حوالے سے "المغازی۔ لمحمد بن مسلم الزہری (۔-۱۲۴)" درج کیا ہے۔ پھر ص ۱۳۹ پر ایک مستقل عنوان "مشاہد النبی" کے نام سے قائم کیا اور اس کے تحت صرف ایک کتاب "مشاہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ـــ للزہری محمد بن مسلم بن شہاب (۱۲۴ھ) ذکر کی۔ حوالہ (سخاوی ۵۲۷) کا دیا سخاوی نے مذکورہ مقام پر لکھا ہے: وروى يونس بن يزيد مشاهد النبي صلى الله عليه وسلم عن الزهري، والوليد بن مسلم... عن الاوزاعي......" اس عبارت میں "مشاہد النبی" سے مراد زہری کی وہی سابقہ کتاب مغازی ہے۔ "مغازی" اور "مشاہد" دونوں کے معنی ایک ہیں۔ ڈاکٹر المنجد کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ یہ کوئی اور کتاب ہے چنانچہ اس کے لیے مستقل عنوان ہی قائم کر دیا۔ سوال یہ ہے کہ سخاوی نے اس کے

بعد امام اوزاعی سے مروی کتاب کا بھی ذکر کیا ہے۔ اسے المنجد نے کیوں نظر انداز کر دیا؟

(۲) دوسری غلطی کا تعلق فہرست برلن کے حوالوں سے ہے۔ اس فہرست کے مرتب آلوردکا طریقہ یہ ہے کہ ایک عنوان کے تحت برلین کے مخطوطات کا ذکر جب مکمل ہو جاتا ہے تو اس موضوع پر بعض دوسری کتابوں کے نام بغرض افادۂ عام درج کر دیتا ہے اور جس طرح ہر مخطوطہ کا ایک مستقل نمبر ہے اسی طرح آخر میں ان کتابو کا یکجا ذکر بھی ایک علیحدہ نمبر کے تحت کیا گیا ہے۔ اس نمبر سے بلا شبہ یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ یہ ساری کتابیں ایک مجموعہ کا حصہ ہے اور یہ نمبر اس کے قلمی نسخہ کا ہے۔ یہ فہرست جرمن زبان میں ہے اس لیے کوئی شخص جو راقم سطور کی طرح اس زبان سے ناواقفیت کی بنا پر نہ فہرست کے مقدمہ سے استفادہ کر سکتا ہو نہ کتابوں کے بارے میں اس کے اندراجات پڑھ سکتا ہو اگر یہ دھوکا کھا جائے تو تعجب نہ کرنا چاہیے۔ مناسب یہ تھا کہ ان کتابوں کے لیے کوئی اور علامت مقرر کی جاتی مگر آلورد نے ایسا نہیں کیا البتہ یہ احتیاط بہر حال ملحوظ رکھی کہ فہرست کی آخری یعنی دسویں جلد میں کتابوں کا جو اشاریہ مرتب کیا اس میں ان زائد کتابوں کو شامل نہیں کیا۔

ڈاکٹر صلاح الدین المنجد سے یہی غلطی ہوئی کہ اس طرح کی ساری کتابوں کے بارے میں انھوں نے یہ گمان کر لیا کہ ان کے مخطوطے برلن میں محفوظ ہیں۔ چنانچہ "معجم ما الف عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے وہ سارے مقامات جن میں کسی کتاب کے بارے میں یہ اطلاع دی گئی ہے کہ اس کا قلمی نسخہ برلن میں موجود ہے غیر معتبر اور تحقیق طلب ہیں۔ مثال کے طور پر اس فہرست میں سیرت نبوی کے تحت پہلا ذیلی عنوان a) Herkunft und Namen یعنی نام و نسب ہے۔ اس میں از نمبر ۹۵۱۰ تا نمبر ۹۵۱۵ چھ مخطوطات کا ذکر کرنے کے بعد ۹۵۱۶ کے تحت نسب نبوی اور اسمائے نبوی پر ۱۶ ایسی کتابوں کے نام کسی تفصیل کے بغیر دیے گئے ہیں جو کتب خانہ برلین میں موجود نہیں۔ اسی طرح دوسرے ذیلی عنوان B) Geburt یعنی مولد نبوی پر از نمبر ۹۵۱۷ تا نمبر ۹۵۲۶ مخطوطات برلن کا تذکرہ ہے اس کے بعد نمبر ۹۵۲۷ کے تحت اس موضوع پر ۲۲ کتابوں کی ایک فہرست دی گئی ہے۔

(۳) تیسری خامی کا تعلق اس معجم کی ترتیب سے ہے۔ ڈاکٹر المنجد نے کتابوں کو

جب موضوعات پر مرتب کرنا چاہا تو ان سے یہ غلطی ہوئی کہ انھوں نے زیادہ سے زیادہ ذیلی عناوین قائم کرنے کی کوشش کی اور اس کا الٹا نقصان یہ ہوا کہ ایک ہی موضوع کی کتابیں بکھر کر رہ گئیں۔

۱۔ مثال کے طور پر کتاب کے پہلے باب میں جو پندرہ ذیلی عناوین پر مشتمل ہے۔ "آباء الرسول" اور "ابوا رسول اللہ" دو عنوان قائم کیے گئے ہیں۔ "آباء الرسول" میں صرف تین کتابوں کا ذکر ہے جبکہ "ابوا رسول اللہ" میں ۲۳ کتابیں ہیں۔ اس بنیاد پر اگر غور کیے بغیر کوئی شخص یہ کہے کہ آباء الرسول پر تین کتابوں کا "سراغ" لگا ہے اور خاص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین پر ۲۳ کتابوں کا تو خود المنجد کی تحقیقات کی روشنی میں یہ درست نہ ہوگا۔ اس لیے کہ ۲۳ کتابوں میں چار کتابیں ایسی ہیں جن کو آباء الرسول کے ذیل میں آنا چاہیے تھا۔ اسی حصہ میں "اجداد النبی" کے نام سے علیحدہ عنوان ہے جس کے تحت صرف دو کتابیں مذکور ہیں۔ "اجداد" اور "آباء" کو دو مستقل عنوان دینا محض غلطی ہے۔ گویا ۹ کتابوں کو ایک عنوان کے تحت آنا تھا۔ بلکہ مناسب یہ تھا کہ یہ تین علیحدہ عنوانات قائم کرنے کے بجائے صرف ایک عنوان "آباء الرسول" کے تحت ان ساری کتابوں کو جمع کر دیا جاتا۔

۲۔ ص ۱۶۰ پر ایک عنوان ہے "کُتّاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم" اس کے تحت صرف دو کتابیں مذکور ہیں اور دونوں معاصرین کے قلم سے ہیں۔ اس سے یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ قدماء نے اس موضوع کو ہاتھ نہیں لگایا۔ پھر ص ۱۶۴ پر ایک عنوان ہے "رُسُل النبی ورسائلہ إلی الملوک" اور اس کے تحت ابن حدیدۃ الانصاری (آٹھویں صدی ہجری) کی کتاب "المصباح المضی فی کُتّاب النبی الامّی ورُسُلہ إلی ملوک الارض من عربی وعجمی" (مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد) کا ذکر ہے۔ یہ کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے دونوں موضوعات پر حاوی ہے اس لیے اس کا ذکر دونوں عنوانات کے تحت کرنا چاہیے تھا۔

۳۔ پانچویں حصہ میں ایک عنوان ہے "صدق النبی"، اور اس کے تحت (ص ۱۸۶) صرف ایک کتاب ابو الہذیل علّاف کی "علامات صدق النبوۃ" درج ہے۔ ڈاکٹر المنجد نے کتاب کے نام پر غور نہیں کیا اور اس کا موضوع اخلاق نبوی سمجھ لیا حالانکہ یہ علم کلام کی کتاب ہے اور اس کا ذکر کتاب کے دوسرے حصہ میں "آیات النبوۃ" واعلامہا ودلائلہا (ص ۶۲) کے تحت آنا چاہیے تھا۔

اس تفصیل سے بخوبی واضح ہے کہ المنجد کی اس معجم سے فائدہ اٹھانے کے لیے ضروری ہے کہ ایک ذیلی عنوان دیکھنے پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ اس سے ملتے جلتے تمام ذیلی عناوین پر نظر ڈالی جائے ورنہ صحیح نتائج تک رسائی نہ ہوگی۔

معجم المنجد کے اس مختصر تعارف کے بعد اب ہم اپنے محترم دوست، ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی صاحب کے مضمون پر ایک تسلسل کے ساتھ ابتدا سے نظر ڈالتے ہیں۔

تنقیحات حصہ اول: سیرت نبوی کے مطالعہ کی روایت

(۱) اس حصہ میں اندلس میں کتب سیرت کی روایت کا جائزہ لینے کے لیے جن آٹھ کتابوں کو منتخب کیا گیا ہے ان میں پہلی کتاب ابن خیر اشبیلی (۵۰۲ھ - ۵۷۵ھ) کی فہرست ہے۔ ابن خیر نے سیرت کی جن کتابوں کی روایت کی تھی ان میں موسیٰ بن عقبہ کی مغازی کا ذکر کرنے کے بعد فاضل مقالہ نگار لکھتے ہیں:

"دوسری کتاب سیرت جس کی سماعت ابن خیر اشبیلی نے کی تھی ابو سلیمان الفضل بن طرخان التیمی (م ۵۳۸ھ) کی کتاب سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھی"

اس کے بعد مصنف کتاب تک ابن خیر کی سند کا ذکر ہے جس میں دونوں کے درمیان سات واسطے ہیں۔ آخری واسطہ مصنف کے فرزند معتمر بن سلیمان ہیں۔ سند میں متعدد شیوخ کی تاریخ سماعت بھی درج ہے۔ قدیم ترین تاریخ ذوالقعدہ ۴۱۸ھ جو آخری دو واسطوں سے قبل کی ہے۔

اس عبارت اور سند مذکور کے مطالعہ سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

۱۔ مصنف کا نام الفضل اور کنیت ابو سلیمان ہے۔ جبکہ سند میں ان کے فرزند کے نام سے ظاہر ہے کہ مصنف کا نام سلیمان ہے۔ یعنی نام سلیمان اور کنیت ابو سلیمان! (اور یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں)

۲۔ مصنف کا سن وفات ۵۳۸ھ ہے۔ یاد رہے کہ ابن خیر کی پیدائش ۵۰۲ھ اور وفات ۵۷۵ھ کی ہے۔ اس طرح مصنف کی وفات کے وقت ابن خیر کی عمر تقریباً ۳۶ سال تھی۔ اس کے باوجود ان کے اور مصنف کے درمیان ۷ واسطے پائے جاتے ہیں! اتنے ہی واسطے مغازی عبدالرزاق کی روایت میں بھی موجود ہیں۔ جبکہ عبدالرزاق کا انتقال

۲۱۱ھ میں ہوا موسیٰ بن عقبہ کی مغازی کی روایت ابن خیر کو ۸ واسطوں سے پہنچی تھی اور موسیٰ کی وفات ۱۴۱ھ میں ہوئی۔

۳۔ مصنف تیمی کی کتاب سیرت کی روایت کا سلسلہ ان کی وفات سے کم از کم ڈھائی سو سال قبل جاری تھا!

یہ آخری دونوں باتیں عجائبات کی حیثیت رکھتی ہیں! اب ابن خیر کی اصل عبارت ملاحظہ ہو:

"کتاب سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، تالیف ابی سلیمان بن طرخان، یقال لہ التیمی.... حدثنی بہ شیخنا..... قال: نا ابو عبداللہ ..... الصنعانی. قال: نا المعتمر بن سلیمان بن طرخان قال: حدثنی ابی رحمہ اللہ" (ص ۲۳۱)

اس عبارت کے شروع میں ایک غلطی ہے پہلے اسے درست کر لیجئے۔ "ابی سلیمان کے بجائے "ابی المعتمر سلیمان..." ہونا چاہئے۔ "المعتمر" کا لفظ چھوٹ گیا ہے جیسا کہ عبارت کے آخری حصہ سے واضح ہے۔ یہ کتاب سیرت سلیمان بن طرخان کی تصنیف ہے اور اس کے راوی ان کے فرزند المعتمر بن سلیمان ہیں۔

راقم سطور ایک طرف ابن خیر کی اس عبارت کو پڑھتا تھا اور دوسری طرف اپنے فاضل دوست کے بیان کو سخت حیرت تھی کہ ابن خیر کی کتاب میں مصنف کا نام شروع میں غلط سہی مگر ابو سلیمان بن طرخان ہے۔ درمیان میں یہ "الفضل" کہاں سے آیا؟ پھر تاریخ وفات ابن خیر نے تو لکھی نہیں۔ ظاہر ہے کسی دوسری جگہ سے ماخوذ ہے مگر ۵۳۸ھ کیوں؟

ان دونوں باتوں کے غلط ہونے میں ذرا بھی شک نہ تھا۔ اس لیے کہ سیرت مذکور کے مصنف ابن طرخان کوئی مجہول شخص نہیں، معروف تابعی، بصرہ کے مشہور عُباد و حُفّاظِ حدیث اور بخاری کے رواۃ میں سے ایک ہیں۔ اس پر بھی زیادہ تعجب نہ تھا کہ سند میں دی ہوئی تاریخوں اور سات واسطوں کو کیونکر نظر انداز کر دیا گیا، کہ عجلت میں یہ سب عین ممکن ہے۔

غور کرنے کے بعد یہ بھی واضح ہو گیا کہ فاضل مقالہ نگار نے ابن طرخان التیمی اور

چھٹی صدی ہجری کے ایک دوسرے مصنف مغازی اسماعیل بن محمد بن الفضل التیمی (۵۳۵ھ) کے درمیان خلط ملط کر دیا ہے۔ باعث اشتباہ تیمی کی نسبت ہوئی جو دونوں میں قدر مشترک ہے "الفضل" کا نام یہیں سے ماخوذ ہے۔

مگر الجھن یہ تھی کہ موخر الذکر کی تاریخ وفات ۵۳۸ھ کیوں لکھی؟ پھر "اسماعیل بن محمد" دو ناموں کو کیوں حذف کر دیا؟

قدیم و جدید کئی مراجع دیکھے مگر کہیں بھی ۵۳۸ھ کا سراغ نہیں مل سکا۔ آخر کار تاریخ وفات میں تین سال کے فرق کو جو دو نسلوں کو غائب کر دینے کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا سہو کتابت قرار دینے ہی والا تھا کہ ڈاکٹر صلاح الدین المنجد نے دستگیری فرمائی۔ میں اب تک ان کی معجم کو مقالہ کے صرف دوسرے حصہ کی مشکلوں کا حل سمجھ رہا تھا مگر معلوم ہوا کہ اس سے بے نیازی یہاں بھی ممکن نہیں۔ ملاحظہ ہو ان کی معجم کے ص ۱۱۶ پر کتاب اور مصنف کا یہ نام:

"السیرۃ النبویۃ۔ لاسماعیل بن الفضل بن طرخان المتیمی (۵۳۸ھ) (فہرست ابن خیر ۲۹۶)"

دیکھا آپ نے دو شخصیتوں: دوسری صدی ہجری کے سلیمان بن طرخان تیمی اور چھٹی صدی کے اسماعیل بن محمد بن الفضل تیمی کا یہ "مرکب"! اور تاریخ وفات ۵۳۸ھ! اور حوالہ فہرست ابن خیر کا!

تاریخ وفات کا سراغ تو مل گیا مگر مصنف کے نام کے بارے میں یہ سوال اب بھی باقی ہے کہ مقالہ نگار نے المنجد کی مذکورہ بالا عبارت کی روشنی میں اسماعیل بن الفضل کے بجائے ابو سلیمان الفضل بن طرخان کیوں لکھا؟ اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس حصہ اول میں ابھی فہرست ابن خیر سے ان کا براہ راست رشتہ قائم ہے۔ دوسرے حصہ میں پہنچ کر جب صرف المنجد کی کتاب ہی سامنے رہ جائے گی تو یہ تکلف بھی ختم ہو جائے گا۔ چنانچہ ص۲۹ پر ابن طرخان کا ذکر مکرر بطرز دیگر ملاحظہ ہو:

"...جبکہ ابن خیر نے اسماعیل بن الفضل بن طرخان التیمی کی سیرت نبوی کا حوالہ دیا (۲۹۶)"

یہاں پوری دیانت داری سے المنجد کے دیئے ہوئے نام کو من وعن اردو میں

منتقل کر دیا گیا ہے۔

معجم المنجد میں ۵۳۵ھ کا اندراج بظاہر طباعت کی غلطی ہے۔ دوسری جگہ جہاں انہی اسماعیل تیمی کی کتاب "المبعث والمغازی" کے نام سے مذکور ہے تاریخ وفات درست لکھی ہے: "المبعث والمغازی - لاسماعیل بن محمد بن الفضل التیمی (۔۔۵۳۵ھ)"

لیکن لطف یہ ہے کہ یہاں المنجد نے فہرست ابن خیر کا حوالہ دیا اور ص ۹۴ کا! اول تو یہ کتاب کے بجائے اشاریہ کا حوالہ ہے۔ اصل کتاب ص ۴۶۳ پر ختم ہو جاتی ہے صحیح طریقہ یہ تھا کہ اصل کتاب دیکھ کر کتاب کے بارے میں معلومات درج کی جاتی اور حوالہ بھی اسی کا دیا جاتا۔ دوسرے، اشاریہ میں بھی کتاب و مصنفِ کتاب کا نام اس طرح ہے:

"سیرۃ رسول اللہ لابی سلیمان بن طرخان التیمی ۲۳۱"

یہ نام غلط سہی مگر مطبوعہ متن کے مطابق ہے۔ پھر نہ جانے المنجد نے اپنا وہ مرکب کس بنیاد پر تیار کیا جسے ہمارے محترم دوست نے نسخۂ شفا سمجھ کر بے تکلف استعمال کر لیا!

سلیمان بن طرخان التیمی بنی مرّۃ کے مولی تھے مگر ان کی رہائش بنو تیم کے ساتھ تھی اس لیے تیمی کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ حضرت انس بن مالکؓ اور قدیم تابعین مثلاً حضرت حسن بصری وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔ سفیان ثوری انھیں بصرہ کے حفاظ ثلاثہ میں شمار کرتے ہیں۔ اپنے فرزند المعتمر کے نام پر ابو المعتمر کی کنیت سے مشہور تھے۔ ۱۴۳ھ میں بصرہ میں انتقال کیا۔ المعتمر بیان کرتے ہیں کہ اس وقت ان کی عمر ۹۷ سال تھی۔ اس طرح سال پیدائش ۴۶ھ ہوتا ہے۔ المعتمر ۱۰۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۷ھ میں بصرہ میں انتقال کیا۔ ان کی کنیت ابو محمد تھی۔

سلیمان کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو: طبقات ابن سعد ۷: ۲۵۲، سیر اعلام النبلاء ۶: ۱۹۵، تہذیب التہذیب ۴: ۲۰۱۔ سیر کے حاشیہ میں محقق نے ان کے حالات کے لیے ۱۶ قدیم مراجع کا ذکر کیا ہے ان پر المعارف لابن قتیبہ: ۴۷۵ کا اضافہ کریں۔ نیز ملاحظہ ہو سزکین ۱/۲: ۸۳

المعتمر کے لیے دیکھئے: ابن سعد ۷: ۲۹۰، تہذیب التہذیب ۱۰: ۲۲۷ اور زرکلی ۷: ۲۶۵

"سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے بارے میں جو "مغازی" کے نام سے بھی

معروف تھی ابن خیر نے تصریح کی ہے کہ یہ کتاب سلیمان بن طرخان التیمی کی تالیف ہے۔ ان کے فرزند المعتمر کی حیثیت مولف کے بجائے راوی کی ہے۔ قدیم کتابوں کے ساتھ اکثر یہ ہوتا ہے کہ وہ غلطی سے راوی کی جانب منسوب ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ بعض لوگوں نے اسے المعتمر کی تصنیف لکھا ہے۔ مثلاً زرکلی (۷ : ۲۶۵) صلاح الدین المنجد نے ایک ہی صفحہ ۳۶ پر پہلے سزگین کے حوالہ سے اسے باپ کی تصنیف "المغازی۔ سلیمان بن طرخان التیمی (ـــ ۱۴۳م)" پھر چند کتابوں کے بعد الرسالۃ المستطرفہ کے حوالے سے بیٹے کی تصنیف بتایا ہے: "المغازی ۔ لمعتمر بن سلیمان بن طرخان (ـــ ۱۸۷م)" اور یہاں باپ اور بیٹے دونوں کے نام بھی درست ہیں اور تاریخ وفات بھی۔

مغازی کے دوسرے تیمی مصنف شیخ الاسلام ابو القاسم اسماعیل بن محمد بن الفضل القرشی التیمی الاصبہانی (۴۵۷ ـــ ۵۳۵ھ) ہیں۔ قوام السنۃ کے لقب سے مشہور تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور ادب کے امام تھے۔ ذہبی نے صرف تفسیر پر ان کی چار کتابوں کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک کتاب "الجامع" تیس جلدوں میں تھی باقی تین کتابوں کی مجموعی جلدیں سترہ تھیں ان کی کتاب المغازی کا ایک نسخہ ۲۰۱ اوراق میں ان کے نواسے یحییٰ بن محمود کے ہاتھ کا لکھا ہوا کوپریلی میں محفوظ ہے۔ راقم کے پاس اس نسخہ کی مائکروفلم موجود ہے۔ قوام السنۃ کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو: سیر اعلام النبلاء، ۲۰ : ۸۰ اور اس کے حاشیہ میں مذکور دوسرے مآخذ۔ نیز زرکلی ۱: ۳۲۳

(۲) اسی سلسلہ کی چوتھی کتاب کے بارے میں مقالہ نگار لکھتے ہیں:

"اسی طرح انھوں نے حافظ ابن عبد البر کی کتاب الدرر فی اختصار المغازی والسیر کی سماعت دو استادوں سے ایک واسطہ سے صاحب کتاب سے کی تھی" (ص ۱۹)

اب ابن خیر کی عبارت ملاحظہ ہو:

"حدثنی بہ الشیخ ابو الاصبغ عیسی بن محمد بن ابی البحر مناولۃ منہ لی، و ابوبکر محمد بن احمد بن طاہر رحمہ اللہ اجازۃ، قالا نا أبو علی الغسانی؛ وحدثنی بہ ایضا الشیخ ابو محمد بن عتاب رحمہ اللہ اجازۃ ایضاً، قالا نا ابو عمر بن عبد البر الحافظ مؤلفۃ رحمہ اللہ" (۲۳۲)

اس عبارت سے واضح ہے کہ ابن خیر نے تین شیوخ سے اس کتاب کی روایت کی ہے:

۱۔ ابوالاصبغ عیسیٰ
۲۔ ابوبکر محمد
۳۔ ابو محمد ابن عتاب

اول الذکر دونوں شیوخ اور مصنف کے درمیان ابوعلی غسانی کا واسطہ ہے مگر تیسرے شیخ ابو محمد ابن عتاب اور مصنف کے درمیان کوئی واسطہ نہیں

(۳) مذکورہ بالا عبارت کے متصل بعد پانچویں کتاب سیرت کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

"یہی حال ان کے مطالعۂ سیرت کی پانچویں کتاب ابوعیسیٰ یحییٰ بن عبداللہ بن ابی عیسیٰ (م سنہ) کی تالیف کتاب اختصار سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے" (ص۱۹)

"یہی حال" سے بظاہر مراد یہی ہے کہ اس کتاب کی روایت میں بھی ابن خیر کے دو شیوخ اور مصنف کے درمیان ایک واسطہ ہے جبکہ ابن خیر نے اس کی روایت صرف ایک شیخ ابوالحسن یونس بن محمد بن مغیث سے کی ہے اور شیخ ابوالحسن اور مصنف کے درمیان دو واسطے ہیں ملاحظہ ہو ابن خیر کی اصل عبارت:

"حدثني به شيخنا ابوالحسن يونس بن محمد بن مغيث رحمه الله مناولة منه لي في اصل كتابه، قال: حدثني به جدي مغيث بن محمد بن يونس، عن جده يونس بن عبد الله بن مغيث القاضي، عن مؤلفه ابي عيسى يحيى بن عبد الله ...." (۲۳۲)

مصنف کتاب کا سن وفات جو یہاں چھوٹ گیا ہے آگے ص ۲۴ پر ۳۶۷ھ لکھا ہے۔

(۴) ص ۲۰ پر لکھتے ہیں: "سیرت نگاروں کے ایک خاص طبقہ میں بالعموم اور اندلسی سیرت نگاروں میں بالخصوص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں رسالہ (خط) لکھنے کا رواج عام رہا ہے۔"

اب حصۂ دوم سے ص ۳۶ کی یہ عبارت ملاحظہ ہو: "خواب میں رویت نبوی آپ کی ذات سے توسل و استعانت، آپ کے نام استغاثہ کے رسالے اور خطوط . . . وغیرہ مسلم علماء و مولفین کے بڑے محبوب موضوعات رہے ہیں اور ان پر بہت سی کتابیں

اور رسالے لکھے گئے ہیں۔ اندلسی مولفین میں بھی یہ روایت باقی اور قائم رہی... دلچسپ بات یہ ہے کہ شکوی اور استغاثہ پر جن پانچ رسالوں کا سراغ ملا ہے وہ سب کے سب اندلسی علماء اور مولفین کے لکھے ہوئے ہیں (۱) ابو محمد.... کا رسالہ الی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم..."

۱۔ کیا دونوں عبارتوں میں تضاد نہیں ہے؟ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں لکھے گئے یہ پانچ رسالے (خطوط) جن کا سراغ ملا ہے سب کے سب اندلسی علماء کے قلم سے ہیں تو کیسے معلوم ہوا کہ ان کے سوا سیرت نگاروں کے ایک خاص طبقہ میں بالعموم اس کا رواج رہا ہے؟

۲۔ جہاں تک ان پانچ رسالوں کے سراغ کا تعلق ہے تو اس کی بنیاد المنجد کی تحقیق پر ہے۔ موصوف نے "رسائل إلی الرسول فی الشکوی والاستغاثة" کے عنوان سے انہی پانچ خطوط کا تذکرہ کیا ہے (ص۲۹۹)

سر دست اس فہرست میں ایک اور رسالہ کا اضافہ کر لیا جائے جو الذیل والتکملہ (۱/۵ /۲۸۸) میں مذکور ہے: "رسالة أبی الحسن الجیّانی الی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم" ابو الحسن جیّانی کی وفات ۶۶۳ھ میں ہوئی۔ الذیل والتکملہ المنجد کے مراجع میں شامل ہے مگر کسی وجہ سے اس رسالہ کا ذکر رہ گیا۔

(۵) ص ۲۱ پر رقم طراز ہیں: "ابن خیر نے امام ترمذی (م ۲۷۹ھ) کی شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے پاس موجودگی کا حوالہ دیا ہے اگرچہ اس کے مطالعہ کا ذکر نہیں کیا (۲۰۲)"

یہ بیان اگر مطابق واقعہ ہو تو میرے نزدیک اس مخطوطہ کے ناقص ہونے کی دلیل ہے جس کی بنیاد پر یہ کتاب شائع ہوئی ہے۔ ایسی کتاب جس کا مقصد ہی مرویات کی فہرست پیش کرنا ہو اور جس میں قراءت و تفسیر، حدیث و فقہ اور شعر و ادب کی سیکڑوں کتابوں کی روایت اور سندوں کی تفصیل درج ہو، ایسی کتاب شمائل ترمذی کی روایت کے ذکر سے خالی ہو یہ بات کسی صورت باور کرنے کے قابل نہیں۔ محترم مضمون نگار نے کتاب کا مطالعہ کرنے کے بجائے اس کے ناقص اشاریئے پر اعتماد کر کے یہ بات کہہ دی ہے۔ اشاریہ میں صرف صفحہ ۲۰۲ کا حوالہ ہے۔ صفحہ ۱۵۰ — ۱۵۱ پر "ومن سائر کتب الحدیث" کے عنوان سے دوسرے ہی نمبر پر اس کتاب کی روایت کا مفصل تذکرہ ہے۔

ابن خیر کی یہ کتاب اسکوریال کے نسخہ کی بنیاد پر FRANCISCUS CO-DERA

اوراس کے شاگرد J. RIBERA TARRAGO کی کوشش سے سرقسطہ میں ۱۸۹۳ء میں چھپی تھی۔ پھر اس کی بنیاد پر بغداد اور بیروت میں شائع ہوئی۔ دونوں مستشرقین کے اس احسان کا اعتراف کرنا چاہئے۔ لیکن متن کتاب کی تحقیق اور اشاریہ سازی پر جو کام انھوں نے کیا ہے وہ زیادہ لائق اعتماد نہیں۔ یوں بھی کسی کتاب کا اشاریہ تسہیل کا ایک ذریعہ ضرور ہوتا ہے مگر اصل کتاب کو دیکھے بغیر صرف اشاریہ پر تکیہ کر لینا کبھی کبھی سخت غلطیوں کا باعث ہوتا ہے۔

(۶) فہرست ابن خیر سے مضمون نگار نے پہلے "سیرتی امہات کتب" (ص ۱۸) کا انتخاب کیا ہے۔ پھر "سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں" (ص ۲۰) ان کا ذکر کیا اور آخر میں "ابن خیر نے اور جن کتب سیرت یا تاریخ اسلام کی کتابوں کا جن میں سیرت کا مواد ہے ذکر کیا ہے" (ص ۲۱) ان کو رکھا ہے۔

قسم اول یعنی امہات کتب سیرت میں سیرت ابن اسحاق اور مغازی عبدالرزاق کا ذکر چھٹے اور آٹھویں نمبر پر بایں طور کر چکے ہیں۔

"ان کے (یعنی ابن خیر کے) مطالعۂ سیرت کی چھٹی کتاب محمد بن اسحاق (م ۱۵۰ھ) کی تالیف کتاب المغازی والسیر ہے جس کی سماعت انھوں نے مشہور عالم قاضی ابوبکر ابن العربی سے کی تھی جو ان تک مصنف مرحوم سے چھ واسطوں سے پہونچی تھی" (ص ۱۹) پھر سیرت ابن ہشام کے ذکر کے بعد فہرست ابن خیر کا یکجا حوالہ ۲۳۶ - ۲۳۱ دیا ہے۔

مغازی عبدالرزاق کے بارے میں لکھا ہے: "ہماری ترتیب کے مطابق آٹھویں کتاب سیرت امام عبدالرزاق بن ہمام کی کتاب المغازی تھی جو ان تک مصنف گرامی سمیت ۷ واسطوں سے پہنچی تھی۔" (ص ۱۹) اس کے بعد بعض دوسری کتابوں کا ذکر کرنے کے بعد (۷ - ۲۳۶) کا حوالہ دیا ہے۔

سیرت نبوی کی گیارہ بنیادی کتابوں میں ابن اسحاق اور عبدالرزاق دونوں کی مغازی کا یہ باقاعدہ تذکرہ ص ۱۹ پر ہے۔ پھر ایک ہی صفحہ کے بعد ص ۲۱ پر تیسری قسم کی کتابوں میں جو "امہات کتب" اور "مختلف پہلوؤں" پر لکھی گئی کتابوں کے علاوہ ہیں دوبارہ عبدالرزاق بن ہمام کی مغازی (۲۳۶) " اور "ابن اسحاق کی مغازی (۱۰۲) کا ذکر کیا گیا ہے جو تعجب خیز ہے۔ نیز پہلی کتاب کے لیے سابق کی طرح دوبارہ ص ۲۳۶ کا حوالہ دیا ہے جو درست ہے

مگر ابن اسحاق کی مغازی کے لیے ص ۱۰۲ کا حوالہ فہرست ابن خیر کے انڈکس سے لیا گیا ہے اور کتاب کھول کر دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی ورنہ یہ بے محل حوالہ نہ دیا جاتا۔ اس صفحہ پر اس کا ذکر صحیح مسلم کے تذکرہ میں ضمناً آیا ہے۔ صحیح حوالہ اس کے لیے ص ۲۳۲ کا ہے۔

(۷) اسی طرح ص ۲۰ پر قسم ثانی یعنی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر نمائندہ کتابوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "حافظ ابوذر ہروی کی ایک کتاب سیرت سیرت النبی و اصحابہ فی عیشھم وتخلیھم عن الدنیا کا ذکر ان کی گراں قدر تالیفات کے بیان میں آیا ہے (۲۸۶)"

گویا ابن خیر نے اس کتاب کی روایت کا ذکر نہیں کیا۔ اب دوسرے ہی صفحہ ۲۱ پر قسم ثالث میں ایک کتاب "ابوذر عبد بن احمد الہروی کی معیشۃ النبی واصحابہ و تخلیھم من الدنیا (۲۷۶)" کو بھی شمار کیا ہے۔

ظاہر ہے یہ دو کتابیں نہیں بلکہ ایک ہی کتاب ہے اور قسم ثانی میں ذکر کرنے کے بعد قسم ثالث میں اس کا تذکرہ تکرار محض ہے۔ ص ۲۷۶ پر ابن خیر نے کتاب کی روایت و سماعت کا ذکر کیا ہے اور بعد میں ص ۲۸۶ پر اسے ابوذر کی تصنیفات میں شمار کیا ہے چنانچہ اس موقع پر تصریح کی ہے کہ اس کا ذکر اس سے قبل گزر چکا ہے۔ "وقد تقدم ذکری له ایضا قبل هذا"

(۸) ص ۲۱ پر قسم ثالث میں ایک کتاب کا نام یوں ذکر کیا گیا ہے: "محمد بن مجاہد المقری کی کتاب قراءۃ النبی لابی بکر (۲۳)"

مضمون نگار نے فہرست ابن خیر کے انڈکس میں کتاب کا نام اس طرح لکھا دیکھا:

" قراءة النبی لابی بکر محمد بن مجاهد المقری"

تو اسے "وصیۃ النبی لابی ہریرۃ" (ابن خیر ۲۷۷) پر قیاس کر لیا۔ اور "ابوبکر" سے ان کا ذہن خلیفۂ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف چلا گیا چنانچہ اردو میں اس طرح لکھ دیا ورنہ "علی الحسنی الندوی کی کتاب مسیرۃ الحیاۃ لابی الحسن" کون لکھے گا!

انڈکس میں کتاب اور مصنف کا نام درست ہے۔ "ابوبکر" محمد بن مجاہد کی کنیت ہے۔ اصل کتاب کا مذکورہ صفحہ ۲۳ دیکھا ہوتا تو کتاب کا پورا نام بھی درج کرتے جو فائدہ سے

خالی نہیں:
"کتاب قرءة النبی صلی اللہ علیہ وسلم وما حفظ من الفاظہ واستعاذتہ و افتتاحہ"

(۹) اسی قسم ثالث میں ایک اور کتاب کا نام یوں مذکور ہے: "عبدالباقی بن قانع کی معظم معجم الصحابۃ (۲۱۵)" کتاب کا یہ نام انڈکس اور اصل کتاب دونوں میں اسی طرح ہے کتاب کے الفاظ یہ ہیں:

کتاب معظم معجم الصحابۃ لعبد الباقی بن قانع القاضی، حدثنی بہ الشیخ ابو الطاھر احمد بن محمد السلفی اجازۃ فیما کتب بہ إلیّ (ص ۲۱۵)

اگر "مُعْظَم" کا لفظ "کتاب" سے پہلے ہوتا یعنی "معظم کتاب معجم الصحابۃ" تو اس کا مفہوم یہ ہو سکتا ہے ابن خیر نے مکمل کتاب کے بجائے اس کے بیشتر حصہ کی روایت کی ہے لیکن یہاں روایت کا جو طریقہ مذکور ہے اس میں یہ تحدید بے معنی ہے۔ نیز جہاں تک ہم نے دیکھا ہے ابن خیر نے کسی کتاب کے بارے میں بھی یہ نہیں لکھا ہے کہ انھوں نے اپنے شیخ سے کتاب کا کچھ حصہ یا بیشتر حصہ پڑھا تھا۔ اس بنا پر متن کتاب میں "معظم" کا لفظ غالبًا کاتب مخطوطہ کی غلطی ہے اور اسے حذف کر دینا چاہیئے۔ صحیح عبارت یوں ہوگی: "کتاب معجم الصحابۃ ....." ابن قانع کی یہ کتاب "معجم الصحابہ" کے نام سے مشہور رہی ہے۔ حافظ ابن حجر کی کتاب الاصابہ میں اس کے اقتباسات بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ ابن فتحون (۵۲۰ھ) نے اس کتاب پر ایک رد بھی لکھا تھا جس کا نام تھا "الاعلام والتعریف بما لابن قانع فی معجمہ من الاوھام والتصحیف"۔ ابن قانع کی معجم کا ایک نسخہ ۱۹۸ اوراق میں ۶۶۴ھ کا لکھا ہوا کوبریلی میں محفوظ ہے لیکن اس کی ابتدا میں نقص پایا جاتا ہے۔ ایک ٹکڑا کتب خانہ ظاہریہ میں بھی موجود ہے۔ ملاحظہ ہو سزگین ۱/۱: ۳۷۸۔

(۱۰) ص ۲۳ پر بغیۃ الملتمس سے جن کتب سیرت کا انتخاب کیا گیا ہے ان میں پہلی کتاب "ابن عبدالبر کی الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (۴۷۵)" اور آٹھویں کتاب "ابن عبدالبر کی کتاب الصحابۃ (۶۳)" ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مضمون نگار کے نزدیک ابن عبدالبر کی یہ دو مستقل تصنیفات ہیں۔ چنانچہ ص ۲۴ پر بھی ابن الابار کی المعجم فی اصحاب

القاضی الصوفی سے ماخوذ کتابوں میں پہلی کتاب " ابن عبدالبر کی کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" اور نویں کتاب "ابن عبدالبر کی کتاب الصحابۃ" کو دو علٰحدہ کتابوں کی حیثیت سے ذکر کیا ہے ۔یہی غلطی ص ۲۵ پر مجموعہ کتب فضائل الاندلس واہلہا سے ماخوذ کتابوں کے تذکرہ میں بھی پائی جاتی ہے ۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ دو مستقل کتابیں نہیں ہیں۔ایک ہی کتاب ہے جس کا اصل نام "الاستیعاب فی معرفۃ (یا اسماء) الاصحاب" ہے ۔اختصار کے لیے "کتاب الصحابہ" کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں ۔ابن خیر نے "الاستیعاب فی اسماء الصحابۃ" (۲۱۴) لکھا ہے ۔ ابن فتحون نے الاستیعاب کا جو ذیل لکھا تھا اس کا نام کشف الظنون (۸۱) میں "الاستلحاق علی الاستیعاب" ہے ۔ابن خیر نے اسی کو "کتاب تذییل صحابۃ ابی عمر بن عبدالبر" لکھا ہے (۲۱۶) بغیۃ الملتمس (۶۳) میں ابن فتحون کے حالات میں "ذیّل کتاب الصحابۃ" سے اسی کتاب کی جانب اشارہ کرنا مقصود ہے ۔

(۱۱) ص ۲۵ پر تاریخ قضاۃ الاندلس سے جن "کتب سیرت کے مطالعات" کا ذکر کیا ہے ان میں " ابن رشد الحفید کی البدایۃ والنہایۃ (۱۱۱)" کو چار " اہم ترین کتب سیرت" میں شمار کیا ہے ۔معلوم نہیں فاضل مقالہ نگار کو یہ غلط فہمی کیسے ہوئی کہ ابن کثیر کی البدایۃ والنہایۃ کی طرح یہ تاریخ کی کوئی کتاب ہوگی۔حالانکہ یہ ابن رشد کی" بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد" ہے جو تقابلی فقہ کی مشہور کتاب ہے اور ہمارے محترم دوست یقیناً اس سے ناواقف نہیں ۔ مالقی نے محض اختصار کے طور پر اسے "البدایۃ والنہایۃ" کے نام سے ذکر کیا ہے۔ ابوجعفر احمد بن علی البلوی (۹۳۸ھ) نے اپنے "ثبت" میں مزید اختصار کے ساتھ صرف "نہایۃ ابن رشد" لکھا ہے (ص ۱۸۳) ناموں میں اس طرح کا اختصار عام ہے ۔

دارالکتب الظاہریہ دمشق میں ایک رسالہ ہے جس کے آخر میں کاتب نے لکھا ہے : "آخر البدایۃ والنہایۃ" اس عبارت سے گمان ہوتا ہے کہ ابن کثیر کی البدایۃ والنہایۃ کا آخری جزء ہوگا ، مگر ایسا نہیں ہے اس رسالہ کا موضوع حلاج کی سوانح ہے اور پورا نام یہ ہے : "بدایۃ حال الحسین بن منصور الحلاج ونہایتہ" کاتب نے اسے مختصر کرکے البدایۃ والنہایۃ لکھ دیا! ملاحظہ ہو: مجلۃ مجمع اللغۃ العربیۃ بدمشق (۶۶ : ۴)

(۱۲) مقالہ کے اس حصہ کا آخری ماخذ لسان الدین ابن الخطیب کی کتاب الاحاطۃ فی

فی اخبار غرناطہ ہے۔ مقالہ نگار ص ۲۵ پر لکھتے ہیں:

"اس میں بعض اہم کتب سیرت کے مطالعات کا بیان ہے۔ سب سے اہم اخبار محمد بن اسحاق نامی کتاب ہے (۲۱۹) جو مشہور مولف سیرت کی سوانح پیش کرتی ہے اور احمد بن محمد الاموی الاشبیلی (۶۳۷ھ۔ ۵۶۱ھ) کی تصنیف لطیف ہے۔"

ا۔ مقالہ کا موضوع سیرت نبوی ہے۔ سیر صحابہ اور تاریخ کی بعض کتابوں کو جن میں سیرت کا مواد پایا جاتا ہے اس فہرست میں ضمناً شامل کر لیا گیا ہے۔ مگر ابن اسحاق کی سوانح کو کتب سیرت میں سب سے اہم مقام کیونکر مل گیا؟ ہندوستان میں سیرت نبوی پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں کیا ان میں حیات شبلی کو بھی شمار کرنا مناسب ہوگا؟

۲۔ اس کتاب کا ذکر ابن الرومیۃ کی تصنیفات میں آیا ہے۔ اس کے مطالعہ یا روایات کا کوئی ذکر نہیں۔ مصنف کا ایک لقب "العشاب" بھی ہے مگر "ابن الرومیۃ" کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ نامور محدث اور ظاہری فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ طبی نباتات کے زبردست ماہر تھے۔ ذہبی نے انھیں "الامام الفقیہ الحافظ الناقد الطبیب، النباتی، الزہری، العشاب" لکھا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ۲۳: ۵۸) فاضل مقالہ نگار نے ان کا ذکر جس طرح کیا ہے اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ "ابن رشد کی کتاب فصل المقال" لکھنے کے بجائے "ابوالولید محمد بن احمد بن محمد القرطبی (۵۲۰ھ۔ ۵۹۵ھ) کی کتاب فصل المقال" لکھا جائے۔ اگر کوئی لکھے کہ "احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد المصری الشافعی (۷۷۳ھ۔ ۸۵۲ھ) کے رسالے "البسط المبثوث فی خبر البرغوث" کا ایک نسخہ لائڈن یونیورسٹی کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔" تو کتنے لوگ ہوں گے جن کا ذہن اس طرف جا سکے گا کہ یہ مولف مذکور شیخ الاسلام حافظ ابن حجر صاحب فتح الباری ہیں!

(۱۳) اس کے بعد مزید لکھتے ہیں: "ابوالقاسم ... کی تاریخ من نزل من الصحابہ الخ، ابن عساکر کی تاریخ دمشق ازرقی کی تاریخ مکہ، ابن النجار کی تاریخ المدینۃ وغیرہ کے مطالعہ کا ذکر کیا گیا ہے (۹۰) قاضی عیاض کی مشہور کتاب الشفا ... کے بارے میں بیان کیا ہے کہ امام ابراہیم ... نے اس کی سماعت کی تھی (۳۸۱)"

ا۔ کتاب الشفا کے علاوہ جتنی کتابوں کا ذکر شروع میں کیا گیا ہے ان میں سے

کسی کے مطالعہ اور روایت کا ذکر "الاحاطہ" میں نہیں ہے بلکہ ابن الخطیب نے مقدمہ کتاب میں غرناطہ پر اپنی تصنیف کے سلسلہ میں وجہ جواز کے طور پر ان کتابوں کا نام لیا ہے:

"فتذكرت جملة من موضوعات من أفرد لوطنه تاريخاً..."

۲۔ اسی طرح کتاب الشفاء کے سوا مذکورہ کتابوں میں سے کوئی بھی براہ راست سیرت نبوی کے موضوع پر نہیں ہے۔ کیا یہ واقعہ ہے کہ پوری کتاب الاحاطہ سیرت نبوی کی کتابوں کے ذکر سے خالی ہے؟ مقالہ نگار کے پیش نظر الاحاطہ کی صرف جلد اول ہے مگر انھوں نے یہاں مضمون کے اندر نہ فہرست کتابیات میں اس کی وضاحت کی۔ کتابیات میں صرف "الاحاطہ فی تاریخ غرناطہ دار المعارف قاہرہ ۱۹۵۵ء" لکھا ہے۔ حالانکہ یہ جلد اول کا سن طباعت ہے۔ باقی تین جلدیں تاخیر سے جلد اول کی طبع ثانی کے ساتھ ۱۹۷۳ء تا ۱۹۷۷ء میں شائع ہوئیں ان جلدوں میں مذکور چند کتب سیرت وتراجم صحابہ درج ذیل ہیں:۔

۱۔ الروض الانف۔ (۳: ۷۹)
۲۔ الاکتفا فی مغازی رسول اللہ (۴: ۲۹۷)
۳۔ نزہۃ الاصفیاء وسلوۃ الاولیاء فی فضل الصلوۃ علی خاتم الرسل وصفوۃ الانبیاء (۴: ۲۹۷)
۴۔ زواہر الانوار ولواہر ذوی البصائر والاستبصار فی شمائل النبی المختار (۳: ۱۷۵)
۵۔ الوسیلۃ الکبریٰ (۳: ۳۰۶)
۶۔ المعجم فیمن وافقت کنیتہ کنیۃ زوجہ من الصحابۃ (۴: ۲۹۷)
۷۔ اختصار اقتباس الانوار (۳: ۱۷۵)

عہدِ نبویؐ کے غزوات وسرایا

ڈاکٹر رؤفہ اقبال صاحبہ نے اس تصنیف میں اسلام کے نظریہ جہاد پر اسلامی موقف کی بے لاگ ترجمانی کی ہے اور اس پر کیے جانے والے اعتراضات کا مسکت اور مدلل جواب دیا ہے۔

آفسٹ کی طباعت۔ صفحات ۲۲۷ قیمت ۲۵ روپے

ملنے کا پتا: ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور۔ علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲